حکم و عبر

ہدایتِ قرآنی کے چار پہلو

دعوتِ رجوع الی القرآن کے وسیع تر تناظر میں

قرآن کالج کا منصوبہ

"انسانم آرزوست"

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب
مرتب: مقبول الرحیم مفتی

جمعہ دس رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ مطابق ۸ر مئی ۱۹۸۷ء کو امیر تنظیم اسلامی و صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران انجمن کے نئے تعلیمی منصوبے "قرآن کالج" کی تفصیلات اور ضروریات پر روشنی ڈالتے ہوئے اہل لاہور سے بالخصوص اور اہل پاکستان سے بالعموم "انسانم آرزوست" کی پرزور اپیل کی تھی، اور مالی امداد و اعانت سے بڑھ کر قرآن کالج کے لئے اپنی اولاد کو اس ادارے میں حصول تعلیم کے لئے داخل کرانے پر زور دیا تھا تاکہ اس مقصد کی طرف حقیقی پیش رفت ممکن ہو سکے جس کے لئے یہ ادارہ قائم کیا جا رہا ہے۔ زیر نظر تحریر میں ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب اور اس سلسلے کی گذشتہ تحریروں یعنی "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" "سرافگندیم" اور "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" سے استفادہ کیا گیا ہے، اور اس میں ڈاکٹر صاحب کے ۲۳ر مارچ کے اس خطاب کے مشمولات کو سمونے کی کوشش بھی کی گئی ہے جسے ٹیپ میں محفوظ نہ کیا جا سکا تھا اور مئی کے "حرف اول" میں اسے ضبط تحریر میں لانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid.com

حضرات گرامی رمضان کی فضیلت اور بزرگی کا سبب اس ماہ مبارک میں قرآن کا نزول ہے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ امت کے لئے یہ مہینہ قرآن کے ساتھ خصوصی تعلق کا مہینہ بن جائے۔ لیکن حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ہر سال رمضان آتا ہے اور گذر جاتا ہے لیکن ہم اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا مذہبی طبقہ بھی تبرک کی حد تک تراویح میں سماعت قرآن یا انفرادی طور پر تلاوت قرآن سے بڑھ کر اس پیغام ہدایت کو سمجھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کرتا۔ حالانکہ ہماری دینوی اور اخروی فلاح و کامیابی کی واحد صورت یہی ہے کہ ہم ایک بار پھر انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس سرچشمۂ فیض و ہدایت کی طرف لوٹیں جس کی اطاعت و پیروی نے ہمیں انسانیت کا امام بنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں کئی مقامات پر اس سرچشمۂ رشد و ہدایت کی تعریف کے لئے مختلف انداز اور اسالیب اختیار کئے ہیں اور جابجا اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی شرائط بیان کی ہیں۔ لیکن انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہماری بدقسمتی یا کوتاہ ہمتی ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کی ہدایت سے محروم ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (سورہ البقرہ آیت ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

اس مقام پر قرآن کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن پوری نوع انسانی کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے دوسری بات یہ کہ اس کی ہدایت بالکل صاف اور واضح ہے اس میں کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے کسی اضافی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ اپنی جگہ بیّن واضح روشن اور مکمل ہدایت ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس کی ہدایت حق اور باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ اسی مناسبت سے ہم قرآن مجید کے ساتھ "فرقان حمید" کے الفاظ کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔

ہدایت کا مفہوم

عربی زبان میں "ہدایت" ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ ہدایت اس کو بھی کہتے ہیں کہ کسی راستہ پوچھنے والے کو آپ زبانی راستہ سمجھادیں کہ فلاں جگہ سے دائیں مڑنا فلاں مقام سے بائیں مڑنا

id.com

وغیرہ۔ جبکہ ہدایت اور رہنمائی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ سائل کے ساتھ چل پڑیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ سورہ اعراف میں اہل جنت کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ کہ جب وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے تو وہ ان الفاظ میں اللہ کی حمد اور بزرگی بیان کریں گے کہ......

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (سورہ اعراف آیت ۴۳)

شکر اور تعریف اسی اللہ کے لئے ہی ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔ ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا۔

یہاں ہدایت کا لفظ دوسرے اور وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ہم ہر روز نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے اللہ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم (اے اللہ) ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ بلاشبہ ہدایت ہم تک پہنچ تو چکی ہے لیکن ہدایت کی تکمیل تب ہو گی جب اللہ تعالیٰ ہمیں درجہ بدرجہ صراط مستقیم پر چلاتے ہوئے، بالآخر جنت میں داخل کر دیں گے۔ اس فانی زندگی میں ہدایت کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر شخص خواہ وہ عالم ہو یا عامی زندگی کے ہر لمحے میں ہدایت کا محتاج ہے۔ مقام نبوت پر فائز ہونے کے باوجود خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر نماز میں یہی دعا فرماتے رہے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم متقی اور نیک شخص کا قدم عمر کے کسی بھی مرحلے میں اور کسی وقت بھی پھسل سکتا ہے۔ سورہ اعراف میں ایسے ہی ایک شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جس کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ایک عالم، صاحب تصرف اور مستجاب الدعوات درویش بلعم باعورا کا ذکر ہے جو عورت اور دولت کے لالچ میں آ کر اپنے بلند مقام اور مرتبے سے محروم ہو گیا تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝۱۷۵ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج ۱۷۶

(سورہ اعراف)

(اے محمد) ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعے سے بلندی عطا کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا۔

© rasailojaraid.com

ایک حدیث میں اسی مفہوم کی تنبیہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے ایک شخص نیک اعمال کرتے کرتے جنت کے اتنے قریب پہنچ جاتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن اچانک وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے کہ اس کے انجام کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔ اس لئے مرتے دم تک کوئی فرد بشر ہدایت اور رہنمائی سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

ہدایتِ قرآنی کے چار پہلو

یہ بات سب جانتے ہیں کہ قرآن سراسر ہدایت ہے لیکن غور وفکر کے نتیجے میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن کا ہدایت ہونا چار اعتبارات سے ہے۔

قرآن مجید کی ہدایت کے یہ چار پہلو ہمارے ذہن پر نقش ہونے چاہئیں تاکہ ہمیں اس کی ہمہ گیری آفاقیت اور کاملیت کا بھرپور احساس رہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ یہ ہدایت انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی یعنی ایک شخص کی انفرادی زندگی کے لئے بھی اس میں رہنمائی کا سامان موجود ہے اور اجتماعی زندگی کے پورے نظام کو چلانے اور اس کی پیچیدگیوں کو سلجھانے اور حل کرنے کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ رہنمائی علمی وفکری بھی ہے اور عملی بھی۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت اور رہنمائی ایک عام آدمی کے لئے بھی ہے اور ایک عالم کے لئے بھی ہے۔ ایک عام آدمی قرآن کے مطالعے کے دوران محسوس کرتا ہے کہ اس کتاب کا اصل مخاطب ہے ہی وہ۔ اور بڑے سے بڑے عالم اور فلسفی کے لئے بھی اس کی گہرائی میں اتر کر تدبر وتفکر کے پورے مواقع موجود ہیں۔ ہمارے عہد میں علامہ اقبال کی ذات میں اس کی بہترین مثال موجود ہے۔ انہوں نے اپنے وقت کے اعلیٰ ترین معیار پر جدید فلسفہ وحکمت کی تعلیم حاصل کی اور تہذیب جدید کے مراکز میں رہ کر اس کو دیکھا اور پرکھا۔ اس تجربے اور مشاہدے کے ساتھ ساتھ انہوں نے قرآن پر غور وفکر اور تدبر کے ذریعے اس کتاب ہدایت کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی حکمتوں کو سمجھا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس عہد کے انسان کی مشکلات کا حل اسی کتاب ہدایت کی پیروی میں پوشیدہ ہے۔ اور امت مسلمہ انسانیت کی امامت ورہنمائی کا کھویا ہوا مقام بھی اس کتاب ہدایت کی کامل اتباع وپیروی کے ذریعے ہی حاصل کر سکتی ہے۔ اس ہدایت کا چوتھا اور اہم ترین پہلو یہ ہے کہ جس طرح آج سے چودہ سو برس قبل اپنے نزول کے وقت یہ ہدایت کارآمد تھی اسی طرح آج بھی ہے اور رہتی دنیا تک امن وسکون اور راحت جسم وجاں کی ضمانت اسی کی اتباع اور پیروی سے ملے گی۔ انسانی علم وفکر جتنی بھی ترقی کر جائے اسے مکمل رہنمائی کا سامان اس قرآن مجید میں ہی ملے گا۔

aid.com

قرآن فہمی کے دو درجے

قرآن کی ہدایت کے تیسرے پہلو میں ہم بیان کر آئے ہیں یہ کتاب جس طرح ایک عام آدمی کے لئے ہدایت کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے اسی طرح بڑے سے بڑے عالم اور فلسفی کے لئے بھی اس کے اندر رہنمائی موجود ہے۔ اس اعتبار سے قرآن کو سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کے بھی دو درجے متعین ہوتے ہیں۔ جنہیں خود قرآن نے تذکر اور تدبر کے عنوان عطا کئے ہیں۔

تذکر بالقرآن

تذکر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کو انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ اس کیلئے صرف دو شرطیں ہیں اول نیت کا درست ہونا دوم عربی زبان کا فہم سورہ قمر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی ہے کہ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ	اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا سمجھنے
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝	کے لئے پھر ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا

اگر قرآن کی زبان میں سادگی بے ساختگی اور تفہیم کی وہ کیفیت نہ ہوتی جسے عربی میں "تیسیر" کہتے ہیں تو عامی انسان اس سے کیسے فائدہ اٹھاتا۔ اس کی تذکیر تک اسے کیسے رسائی حاصل ہوتی! قرآن کی زبان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ سہل ممتنع کا بے مثال نمونہ ہے...... ایسا سادہ اور عام فہم نمونہ جو بظاہر تو بہت آسان دکھائی دے لیکن جب آدمی اس انداز سے بات کہنے کی کوشش کرے تو کہہ نہ سکے...... لیکن اس تیسیر اور تذکیر سے فیض یاب ہونے کے لئے کم از کم اتنی عربی سیکھنا لازم ہے کہ آدمی ترجمے کی مدد کے بغیر قرآن کے مفہوم کو سمجھ سکے۔ اس کے بغیر تلاوت کا ثواب تو حاصل کیا جا سکتا ہے اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ قرآن کو پڑھتے ہوئے متن سے نظر ہٹا کر بار بار ترجمہ دیکھنے سے قرآن کی وہ تاثیر ختم ہو جاتی ہے، جو انسان کے ضمیر اور روح کو متاثر کرتی ہے اسی کیفیت کو علامہ اقبال نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

عام تعلیم، ہدایت اور رہنمائی کے اعتبار سے قرآن نہایت کھلا ہوا اور آسان ہے۔ ہر شخص بقدر

© rasailojaraid.c

استعداد اس سے فیض حاصل کر سکتا ہے۔ زندگی کو جس روش پر گذارنا چاہئے اس کی طرف یہ پہلی نظر میں' اشارہ کر دیتا ہے۔

تدبّرِ قرآن

قرآن فہمی کا دوسرا درجہ تدبر قرآن ہے۔ قرآن کے عمیق فلسفے اور گہری حکمت تک پہنچنے کے لئے تدبر کی ضرورت ہے اس کے لئے محض عربی دانی کافی نہیں۔ قرآن کی گہرائی اتھاہ اور اس کی وسعت ناپیدا کنار ہے اس کے لئے صرف پیرنا ہی کافی نہیں ڈوبنا بھی پڑتا ہے۔ یہ پیہم مطالعہ اور مسلسل غور و فکر کی چیز ہے اس کے لئے زندگیاں وقف کرنی پڑتی ہیں۔ صحابہ کرام کو نہ تو قرآن کی زبان سیکھنی تھی نہ عقائد اور فلسفے کی بحثوں سے وہ آشنا تھے۔ زبان ان کی تھی' محاورہ ان کا تھا' حالات و معاملات اور عقائد و اعمال سب ان کے تھے لیکن ایک ایک سورہ پر آٹھ آٹھ سال تدبر اور غور و فکر اور تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ ہر قدم پر لعلکم تعقلون (تاکہ تم سمجھو) ہر چند آیات کے بعد لعلکم تتفکرون (تاکہ تم غور کرو) ہر تھوڑے تھوڑے فاصلہ کے بعد لعلکم تذکرون (تاکہ یاددہانی حاصل کرو) کی دعوت بلند ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن کے اسرار و حقائق پر غور کرنے کے لئے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حلقے قائم تھے' جو تدبّر کا ذوق رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حلقوں کے قیام کے لئے موثر الفاظ میں لوگوں کو شوق دلایا کرتے تھے ابو داؤد میں روایت ہے۔

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَ یَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَ غَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَحَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَ ذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ

جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب پڑھتے اور باہم درس و مذاکرہ قرآن کی مجلسیں قائم کرتے ہیں ان پر اللہ کی طرف سے تسکین اور رحمت کی بارش نازل ہوتی ہے اور ملائکہ ان کو ہر طرف سے گھیرے کھڑے رہتے ہیں اور اللہ تعالٰی اپنے مقربین کے حلقے میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

تمام آنے والے ادوار کے لئے تمدن کے پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہونے والے مسائل کا حل قرآن کے اندر موجود ہے لیکن اس تک پہنچنے کے لئے قرآن کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کرنی پڑے گی مگر

d.com

اس کام کی شرائط بڑی کڑی ہیں۔ اس کے لئے عربیت کے اعلیٰ ذوق کے ساتھ اپنی ذہنی استعداد کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ عہد جدید کے مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے پہلے مسائل سے آگاہی حاصل کرنی پڑے گی۔ اپنے ذہنی افق کو وسیع کرنے کے لئے جدید دور کے علوم و مسائل میں مہارت پیدا کرنی پڑے گی۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ سمندر سے آپ اتنا ہی پانی لے سکتے ہیں جتنا آپ کے پاس برتن ہے۔ بالکل اسی طرح قرآن علم و حکمت کا ایک اتھاہ سمندر ہے لیکن آپ اس سے اپنے ذہن کی وسعت کے مطابق ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اگر ذہن کے اندر مسائل کا ادراک ہی نہیں، غور و فکر کی تربیت ہی نہیں اس نے خرد کی گتھیاں سلجھائی ہی نہیں اسے معلوم ہی نہیں کہ معاشیات کے مسائل کیا ہیں سیاسیات کے تقاضے کیا ہیں، جدید ریاست میں دستور و قانون کی کیا اہمیت ہے تو اسے قرآن سے کیا ملے گا۔ اس مناظر میں دیکھیں تو تدبر قرآن کا عمل ایک مسلسل عمل ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہمارے زوال کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے تاریخ کے ایک مرحلے میں قرآن پر تدبر کرنا چھوڑ دیا۔ ہماری مجموعی فکر جامد ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں ہمارے زوال کا آغاز ہوا جو آج اپنے عروج پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے یورپ کو ہوشیار کر دیا اور تدبر و تفکر کی راہیں انہیں دکھادیں۔ وہ جاگ گئے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ ان کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی تنزل شروع ہوا۔ قدرت کے کارخانے میں سکون محال ہے اگر آپ آگے نہیں بڑھیں گے تو کسی مقام پر ٹھہر نہیں سکتے پھر آپ کے پیچھے ہٹنے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ اس ترقی معکوس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم پیچھے ہٹتے ہٹتے اتنے پیچھے ہٹے کہ یورپ کے غلام بن گئے۔ سیاسی غلامی کے ساتھ ذہنی اور فکری غلامی کا آنا فطری امر ہے۔ آج کیفیت یہ ہے کہ ہم ہر میدان میں یورپ کے بھکاری ہیں۔ آج ہمارے نزدیک علم ہے تو یورپ کا، اقدار ہیں تو یورپ کی، تہذیب قابل تقلید ہے تو یورپ کی۔ ہماری اسی ذہنی فکری سیاسی اور تمدنی غلامی کے اثرات کا نتیجہ آج سے ستر، اسی برس قبل اکبرالہ آبادی مرحوم نے بڑے خوبصورت انداز میں ایک شعر میں بیان کر دیا تھا کہ۔

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیر[۱] میں چھپے

---

[۱] اس دور کا ایک انگریزی اخبار

© rasailojaraid.com

تذکر و تدبّر قرآن کی مختصر تاریخ

حضرات گرامی مرکزی انجمن خدام القرآن اور اس کے بانی کی تمام تر مساعی کا محور و مقصد درحقیقت قرآن کی اسی ہدایت کو عام کرنا اور دعوت رجوع الی القرآن کے کام کو امت میں فروغ دینا اور اس کے لئے اپنی ساری توانائیوں اور صلاحیتوں کو کھپا دینا ہے۔ تنظیم اسلامی کی صورت میں حکم بالقرآن یعنی شہادت حق اور اقامت دین کے لئے جدوجہد کا آغاز بھی آپ کے سامنے ہے۔ اگرچہ ہماری تنظیم ابھی دعوت و تنظیم اور تربیت و تزکیہ کے بالکل ابتدائی مراحل میں ہے۔ لیکن اس سے ایک بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے لئے قرآن کا فکر اور پیغام محض ایک علمی اور فکری شے نہیں بلکہ اس کے نفاذ کی جدوجہد ہماری زندگی کا سب سے اہم اور عملی مسئلہ بھی ہے۔ اپنی ذات اور انجمن کے حوالے سے فہم قرآن اور رجوع الی القرآن کے سلسلے میں انجام دی گئی خدمت اور مستقبل کے منصوبوں اور ارادوں کا بیان کرنے سے پہلے گذشتہ دو سو برس میں برصغیر پاک و ہند میں اس کام کی تاریخ کا اجمالی جائزہ پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ کو اس کام کی نوعیت و اہمیت اور اس کی ضرورت و مشکلات کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ اس ضمن میں ایک بات ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس جائزے میں بیسویں صدی کی ان نمایاں اور منفرد کوششوں کا تذکرہ ہے جن پر بحیثیت مجموعی فکر مغرب سے مرعوبیت اور تجدید پسندی کے اس عنصر کا غلبہ نہیں جس کے علمبردار سر سید احمد خان مرحوم تھے۔

فکر ولی اللّٰہی

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے آخری زمانے میں جب یہاں انگریزی اقتدار کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں، امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سرزمین میں بسنے والی امت مسلمہ کا تعلق اللہ کی آخری کتاب ہدایت 'قرآن مجید' فرقان حمید سے جوڑنے کی عظیم کوشش کا آغاز قرآن مجید کے فارسی ترجمے اور اصول تفسیر کے منفرد رسالے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کی تالیف سے کیا۔ شاہ صاحب کے کام کو ان کے دو صاحبزادوں شاہ رفیع الدین" اور شاہ عبدالقادر" نے علی الترتیب قرآن کے لفظی اور بامحاورہ اردو ترجموں کے ذریعے آگے بڑھایا۔ اسلامیان ہند کے سیاسی اور عمرانی وجود کے تحفظ اور احیاء دین کے سلسلے میں شاہ صاحب کی علمی اور عملی خدمات اپنی جگہ عظیم الشان اور ہمہ گیر ہیں۔ یہاں صرف موضوع کی مناسبت سے ان

d.com

کے عظیم ترین کارنامے یعنی "رجوع الی القرآن" کی راہیں کھولنے کے کام کا ذکر کیا گیا ہے۔

سیاسی اعتبار سے انیسویں صدی کا زمانہ برصغیر کے باشندوں کے لئے مجموعی اعتبار سے بدامنی افراتفری اور سیاسی شکست وریخت کا زمانہ تھا لیکن اقتدار سے محروم کیے جانے والے طبقے کی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے تو اس کے مصائب وشدائد دیگر اقوام ہند سے کئی گنا زیادہ تھے۔ اسی زمانے میں مسلمانوں نے چراغ سحری کی آخری بھڑک کی مانند ہندوستان میں اپنے اقتدار کو بچانے کی دو ناکام کوششیں کیں۔ پہلی کوشش یعنی ۱۸۳۱ء کی تحریک مجاہدین' اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک خالص دینی اور نظریاتی تحریک تھی اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی فکری مساعی کا عملی نتیجہ تھی۔ اس کا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کی بحالی کے ساتھ ساتھ ایک خالص اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ اس تحریک کا اصل زور تو معرکہ بالاکوٹ میں سکھوں کے مقابلے میں شکست اور تحریک کے قائدین شاہ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ اور سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت کے ساتھ ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن "جہاد بالسیف" کی جو روح اس تحریک نے علماء ربانی میں پیدا کر دی تھی وہ بیسویں صدی کے ربع اول تک عملاً باقی رہی۔ ہجرت افغانستان اور پڑوسی مسلمان ریاستوں کی عسکری مدد سے ہندوستان کو آزاد کرانے کی "تحریک ریشمی رومال" درحقیقت فکر ولی اللّٰہی اور تحریک مجاہدین کا ہی ایک تسلسل تھی۔ دوسری اور آخری کوشش یعنی ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی اگرچہ اپنے مزاج کے اعتبار سے آزادی ہند کی ایک قومی تحریک تھی جس میں ہندوستان کی ساری قومیں شریک تھیں لیکن فطری طور پر اس کی قیادت بالعموم مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور بحیثیت مجموعی اسے ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی آخری ہچکی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس جنگ میں بھی علماء کرام نے بھرپور انداز میں شرکت کی تھی لیکن یہ جنگ تحریک مجاہدین کے جہاد کی طرح کی نظریاتی جنگ نہ تھی۔ بہرحال ان دو مسلح کوششوں کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے رسمی اور کلی خاتمے کے ساتھ ہی ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے نظریاتی حملوں کا آغاز بھی ہوا۔ علماء کرام نے دونوں محاذوں پر امت کے ایمان اور مذہبی اقدار کو بچانے میں اپنا کردار بطریق احسن ادا کیا۔

دیوبند

سیاسی بدامنی' جنگ وجدل اور مذہبی محاذ پر عیسائی اور ہندو مبلغین کے مقابلے میں مصروفیت کی وجہ سے انیسویں صدی کے آخر تک اگرچہ قرآن فہمی کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر علمی پیش رفت نظر نہیں آتی' لیکن دارالعلوم دیوبند اور دیگر کئی علمی مراکز کے قیام کی صورت میں علمی میدان میں پیش رفت کی بنیادیں جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انتہائی نامساعد حالات میں ہی رکھ دی گئی تھیں جن

© rasailojaraid.com

کے نتائج بیسویں صدی کے اوائل میں نکلنا شروع ہوئے۔ "تحریک ریشمی رومال" کے قائد اور روح رواں امام الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ جو پہلی جنگ عظیم کے دوران جزائر انڈیمان میں قید تھے نے ایام اسیری میں ہی شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کے اولین بامحاورہ اردو ترجمے موضح القرآن پر نظرثانی کا کام مکمل کیا جو ان کی رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ موضح الفرقان کے نام سے شائع ہوا۔ اسی زمانے میں دیوبندی مکتب فکر کے دوسرے بڑے عالم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر بیان القرآن بھی منظرعام پر آئی جس نے جدید وقدیم دونوں طبقوں میں مقبولیت پائی۔ اس کے ذریعے خود مصنف کی نگرانی میں فہم قرآن کا ایک وسیع حلقہ متحدہ ہندوستان کے طول وعرض میں وجود میں آیا جس کی اہم خصوصیت فہم قرآن کے ساتھ ساتھ تربیت وتزکیہ کے میدان میں عملی رہنمائی کا اہتمام تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کی ان دو بڑی شخصیتوں کی خدمت قرآن کے ساتھ اس دور میں اسی مکتب فکر کے علماء میں سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا فتح محمد جالندھری کے اردو تراجم بھی شائع ہوئے اور عوام میں انہیں قبول عام حاصل ہوا۔

ابوالکلام آزادؒ اور ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اب تک "رجوع الی القرآن" کی جن کوششوں کا ذکر ہو چکا ہے ان میں تذکیر کا رنگ نمایاں تھا۔ اور عوام میں ان کے محسوس اثرات ونتائج بھی افراد کی انفرادی اصلاح اور تزکیہ نفس کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ درحقیقت رجوع الی القرآن کے اس بنیادی کام نے عوامی سطح پر اقامت دین اور تدبر قرآن کے اس کام کے لئے میدان ہموار کیا جس کا ذکر ہم آئندہ سطور میں کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں بیسویں صدی کی چار نابغہ عصر شخصیات کی فکری وعملی خدمات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ سب سے پہلی شخصیت کو ہم امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مدیر الہلال والبلاغ اور قرآن کی انقلابی فکر کے مبلغ ومفسر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ مولانا آزاد نے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" جاری کیا جس کا مقصد وحید مسلم امت کو قرآن کی طرف متوجہ کرنا اور ان میں جہاد کی روح بیدار کرنا تھا۔ اسی رسالے کے ذریعے انہوں نے حکومت الٰہیہ کا تصور پیش کیا۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی روایت کے مطابق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ "الہلال" کا گہرا مطالعہ کیا کرتے تھے حالانکہ اس میں تصویریں بھی شائع ہوتی تھیں اور یہ امران کے بعض ساتھی علماء کرام کے لئے باعث اعتراض تھا۔ لیکن حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ مولانا آزادؒ اور مولانا محمود حسنؒ کی فکری اور ذہنی ہم آہنگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

id.com

اعتراض سن کر "حضرت شیخ الہند" نے پہلے تو یہ شعر پڑھا۔

کامل اس طبقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

پھر فرمایا کہ میاں تم اس بات کو دیکھتے ہو کہ اس میں تصویریں ہوتی ہیں' تم یہ بات نہیں دیکھتے کہ وہ فریضہ جہاد جس سے ہم سب لوگ غافل تھے اس کو سب سے پہلے جس شخص نے یاد دلایا وہ یہی ابوالکلام آزاد ہیں' لہٰذا ہم ان کے نہایت شکر گذار ہیں۔ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے منظم جدوجہد کرنے کے لئے مولانا آزاد نے "حزب اللہ" کے نام سے ایک جماعت کی تشکیل کا آغاز بھی کیا تھا۔ لیکن طبقہ علماء کی طرف سے بھرپور تعاون اور ان کی قیادت کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے اس کام کو آگے نہ بڑھایا اور انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو کر "حکومت الٰہیہ" کے قیام جیسے مثالی 'صبر آزما اور عظیم تر مقصد کی بجائے آزادی وطن اور ہندو مسلم اتحاد جیسے عملی فوری اور نتیجہ خیز مقاصد کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ لیکن انہوں نے جس زوردار اور پرجوش انداز سے تحریر و تقریر میں اپنی بے مثال صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تفسیر قرآن "ترجمان القرآن" اور الہلال والبلاغ کے پر اثر مقالات و مضامین کے ذریعے اسلامیان ہند کے قلب و ذہن میں رجوع الی القرآن اور اقامت دین کے تصورات کے بیج بوئے وہ تناور درختوں کی صورت میں آج پاک و ہند کے مسلم معاشروں میں موجود ہیں۔ مولانا آزاد کے حکومت الٰہیہ کے تصور اور اس کے لئے منظم جدوجہد کے انقلابی تصور کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۹۳۰ء میں اپنے رسالہ ترجمان القرآن کے مضامین کے ذریعے آگے بڑھایا اور پھر دس سالہ فکری اور دعوتی کام کی بنیاد پر ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی' قائم کر کے عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ مولانا آزاد کی طرح مولانا مودودی مرحوم نے بھی اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" میں اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" کی اشاعت کا آغاز کیا۔ جس کی اہم خصوصیات یہ ہیں کہ اولاً اس میں اقامت دین کی جدوجہد' جماعت کی تنظیم و تربیت کے پہلو سے قرآن کی تشریح و تفہیم کی گئی ہے اور ثانیاً عہد جدید کے مسائل و معاملات کا حل بھی قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ "تفہیم القرآن" دعوت و تذکیر اور تدبر دونوں پہلوؤں سے فہم قرآن کی ایک عمدہ اور اثر آفریں کوشش ہے۔ کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی دلی کی ٹکسالی زبان نے اس کی اثر آفرینی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ نسل میں تفہیم القرآن کی مقبولیت کا واحد سبب یہی ہے کہ عہد حاضر کے مسائل کا قرآنی حل عہد حاضر کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ جس طرح مولانا آزاد اپنی زندگی کے ایک مرحلے میں' آزادی وطن کی خاطر ہندوستان کی قومی سیاست کے علمبردار بن گئے تھے اسی طرح مولانا

© rasailojaraid.com

مودودی مرحوم بھی قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی قومی سیاست اور انتخابات میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ ان کی تحریک اسلامی کا انقلابی رخ بہت حد تک دھیما اور مدھم پڑ گیا اور ان کی " جماعت اسلامی " ایک اصولی اور نظریاتی جماعت کے بجائے ایک قومی سیاسی جماعت میں تبدیل ہو گئی۔ البتہ مولانا مودودی مرحوم کو مولانا آزاد پر یہ فوقیت ضرور حاصل ہے کہ انہوں نے "تفہیم القرآن" کے نام سے خدمت قرآن کے جس کام کا آغاز کیا تھا اللہ نے انہیں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت عطا فرمائی۔

جماعت اسلامی کی طرح تبلیغی جماعت کا انداز و طریق بھی مولانا آزاد کی "حزب اللہ" کی ایک ذیلی جماعت " السائحون " کا ٹھیک ٹھیک عکس ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اس طرز پر محنت کرنے کا طریقہ مولانا آزادؒ کی "السائحون" سے ہی اخذ کیا ہو۔ مقصود یہ ہے کہ اس انداز کے کام کا تصور بھی آزادؒ کے ہاں موجود تھا۔ جدید و قدیم دونوں طبقوں میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی فکر اور دین کے ہمہ گیر تصور کو روشناس کرانے میں مولانا آزادؒ کا بہت بڑا حصہ ہے اور اس فکر کی روشنی میں زمانہ جدید کے مسائل کا اسلامی حل پیش کرنے اور پھر اسے ایک غالب اور کارفرما نظام کی صورت میں نافذ کرنے کی عملی جدوجہد کا آغاز جماعت اسلامی بنا کر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے کیا ' یا یوں کہئے کہ مولانا آزاد نے جو خاکہ پیش کیا تھا اسے مولانا مودودی نے ایک مکمل نقشے کی صورت دے کر تعمیر کے عملی کام کا آغاز کیا۔

فہم قرآن کے دوسرے اور اعلیٰ تر درجے یعنی تدبر قرآن کے سلسلے میں اس عہد کی دو عظیم شخصیتیں علامہ حمید الدین فراہیؒ اور علامہ محمد اقبالؒ منفرد مقام اور مرتبے کی حامل ہیں۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے انداز سے تدبر قرآن کے میدان میں جس مجتہدانہ بصیرت کا اظہار کیا ہے اس نے بعد میں آنے والوں کے لئے غور و فکر کی نئی جہتوں کو وا کیا اور وہ ایسے راستوں کی نشاندہی کر گئے جن پر چل کر ہم عہد حاضر کے مسائل اور مغرب کی کارفرما اور غالب فکر اور تہذیب کا مقابلہ و مواجہہ کر کے بحیثیت امت سرخرو ہو سکتے ہیں۔

فراہی مکتب فکر

علامہ حمید الدین فراہیؒ جنہیں بلا شبہ تفسیر قرآن کے میدان میں امام کا درجہ حاصل ہے کی ذات اور کارنامے سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آپ مولانا شبلی نعمانیؒ کے ماموں زاد بھائی اور ان کے شاگرد تھے۔ مولانا شبلی سے کسب فیض کے بعد علامہ فراہی نے وقت کے جن مشہور اساتذہ کے حلقہ

id.com

ہائے درس سے استفادہ کیاان میں مولانا ابو الحسنات لکھنوی فرنگی محلی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری مرحوم کے نام شامل ہیں۔ بیس سال کی عمر میں عربی زبان اور دینی علوم کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی اور علوم جدیدہ کی تکمیل کے لئے علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں دیگر علوم کے ساتھ فلسفہ کے پروفیسر، مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ سے فلسفہ جدیدہ کی تحصیل کی اور اس میں امتیاز حاصل کیا۔ بی اے کی ڈگری علامہ نے الہ آباد یونیورسٹی سے لی۔ علی گڑھ میں عربی کی پروفیسری کے زمانے میں آپ نے عربی کے مشہور جرمن مستشرق پروفیسر یوسف ہارویز سے عبرانی زبان سیکھی اور اس میں اس حد تک ترقی کر لی کہ عبرانی کتابوں سے براہ راست استفادہ کرنے لگے۔ اور بعد میں اپنی قرآنی تحقیقات میں اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ علامہ حمید الدین فراہی کی قرآنی فکر کو سمجھنے کیلئے اُنکے شاگرد رشید اور ان کی فکر اور فلسفے کے سب سے بڑے مبلغ اور شارح مولانا امین احسن اصلاحی کی ایک تحریر سے ایک قدرے طویل اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ قارئین براہ راست مکتب فراہی کے اصول تدبر قرآن اور اس کے پس منظر سے روشناس ہو سکیں مجموعہ تفاسیر فراہی کے صفحہ ۱۴ پر "مصنف کے مختصر حالات زندگی" لکھتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی "تدبر قرآن" کے ذیلی عنوان کے تحت رقم طراز ہیں۔

"یوں تو مولانا فلسفی بھی تھے، متکلم بھی تھے اور عربی اور فارسی کے بے نظیر ادیب اور شاعر بھی تھے لیکن یہ ساری چیزیں مولانا کے ہاں ضمناً تھیں۔ اصلی چیز جو مولانا کے دل و دماغ اور علم و عمل پر حاوی تھی، وہ قرآن تھا۔ قرآن کی ایک ایک آیت بلکہ اس کے ایک ایک لفظ پر انہوں نے اس طرح غور کیا تھا جس طرح اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر غور کرنے کا حق ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے انہوں نے نہ صرف قرآن پر غور کرنے کا حق ادا کیا بلکہ ان ساری چیزوں کو بھی نہایت تنقید و تحقیق کی نگاہ سے پڑھا جو قدیم و جدید دونوں راستوں سے ان کو مل سکیں اور جو قرآن کے سمجھنے میں کسی نوعیت سے بھی معین ہو سکتی تھیں۔ کلام عرب کا ہر شعر جو قرآن میں سند کے کام آسکتا تھا مولانا کی نگاہ میں تھا۔ خطبائے جاہلیت کا ہر خطبہ جو قرآن کے کسی مقام کی تفہیم میں معین ہو سکتا تھا مولانا کے علم میں تھا۔ توریت اور تالمود پر وہ عالمانہ نظر رکھتے تھے اور عبرانی سے واقف ہونے کے سبب سے ان سے براہ راست فائدہ اٹھاتے تھے۔ تاریخ اور جغرافیہ کے اس سارے حصہ کو وہ اچھی طرح پڑھے ہوئے تھے جس کا کسی نوعیت سے بھی قرآن سے تعلق تھا۔ حدیث اور فقہ کے ذخیرہ کو انہوں نے قرآن کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھا تھا فلسفہ جدید کی ان تمام شاخوں کا بھی انہوں نے نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا، جو قرآن کے اجتماعی و سیاسی اور ما بعد الطبیعی اصولوں کے سمجھنے اور ان کے موازنہ اور مقابلہ میں کار آمد ہو سکتی تھیں۔

© rasailojaraid.com

مولانا نے قرآن مجید پر غور کرنے کا کام باضابطہ طور پر' جیسا کہ انہوں نے اپنے مقدمہ نظام القرآن میں خود ظاہر فرمایا ہے 'اس زمانہ سے شروع کیا ہے جب وہ علی گڑھ میں بحیثیت ایک طالب علم کے مقیم تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سرسید مرحوم مغربی نظریات سے مرعوبیت کے سبب سے قرآن مجید کی من مانی تاویلات کر رہے تھے اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو انگریزوں اور انگریزوں کے لائے ہوئے افکار و نظریات سے مرعوب تھا' بری طرح ان من مانی تاویلات کا شکار ہو رہا تھا۔ مولانا نے اس فتنہ کو جہاں انگریزوں کے تسلط کا ایک قدرتی نتیجہ خیال کیا وہاں اس حقیقت پر بھی ان کی نظر گئی کہ مذہبی علوم خصوصاً قرآن کے سمجھنے سمجھانے کا جو طریقہ مسلمانوں میں رائج اور مقبول رہا ہے وہ بالکل ہی غلط اور فرسودہ ہے۔ اور اس غلط اور فرسودہ طریقہ نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو فکری اعتبار سے اس قدر کمزور اور منفعل بنا دیا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے ہر فتنہ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے مولانا کے دل میں یہ ڈالا کہ قرآن مجید پر غور کرنے کا وہ صحیح طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حکمت قرآن کے دروازے کھلیں تاکہ مسلمان مغرب کی فاسد عقلیت سے مرعوب ہونے کے بجائے قرآن کی صالح عقلیت سے اس کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ مولانا نے تفسیروں کے واسطہ سے قرآن کے سمجھنے کا مقبول عام طریقہ چھوڑ کر قرآن پر براہ راست غور کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کی رہنمائی ان اصولوں تک فرمائی جو انہوں نے اپنے مقدمہ نظام القرآن میں بیان فرمائے ہیں اور جن کی وضاحت میں نے اپنی کتاب تدبر قرآن میں کرنے کی کوشش کی ہے۔"

علامہ فراہی کا تعلق ایک خوش حال گھرانے سے تھا اور عمر بھر انہوں نے شعبہ تعلیم میں جن مختلف اداروں میں خدمات سرانجام دیں وہاں ان کا مشاہرہ بھی اپنے عہد کے اعتبار سے انہیں نوابانہ انداز کی زندگی گذارنے کے لئے کافی ہوتا تھا' لیکن انہوں نے ہمیشہ اتباع سنت میں سادہ زندگی اختیار کی اور اپنی دولت کو علم اور اہل علم کی خدمت کے لئے استعمال کیا۔ یوں تو علامہ فراہی اول روز سے مدرستہ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے ناظم تھے لیکن اپنی زندگی کے آخری پانچ برسوں میں انہوں نے اپنے وقت اور اپنی محنت کا بڑا حصہ اس مدرسہ کی خدمت پر صرف فرمایا۔ مدرسے کے منتہی طلبہ اور اساتذہ کو قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ اس عرصے میں انہوں نے محنت شاقہ سے اہل علم کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جس نے ان کی فکر اور خدمت کے کام کو آگے بڑھایا۔ مولانا کی تصنیفات اور تالیفات تمام کی تمام عربی زبان میں ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک عوام کی اصلاح کے لئے پہلے علماء کی اصلاح لازم تھی۔ علامہ فراہی کی تعلیمات میں اسلام کی انقلابی فکر اس درجہ راسخ تھی کہ ان کے بیشتر نامور تلامذہ نے مولانا مودودی کی دعوت اقامت دین پر لبیک کہی اور اس تحریک کے لئے بہترین علمی

id.com

سرمایہ ثابت ہوئے۔ اس کی سب سے بڑی مثال پاکستان میں ان کے جانشین مولانا امین اصلاحی کی ذات میں موجود ہے۔

علامہ فراہیؒ کے علمی اور فکری جانشین مولانا امین احسن اصلاحی نے نہ صرف اپنے استاد کے طرز فکر اور اصول تفسیر کی روشنی میں "تدبر قرآن" کے نام سے قرآن کی تفسیر لکھی ہے بلکہ اپنے استاد کے طریقے کے مطابق تدبر قرآن کے کام کو اعلیٰ سطح پر آگے بڑھانے کے لئے درس و تدریس کے باقاعدہ حلقوں کا اجراء بھی کیا اور اس پرانہ سالی کے باوصف اپنے سلسلہ دروس کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

علامہ اقبالؒ

میرے نزدیک فہم قرآن کے اس سلسلے کی چوتھی بڑی شخصیت علامہ اقبال مرحوم کی ذات ہے ان کی علمی اور عملی خدمات اگرچہ محتاج تعارف نہیں لیکن ع "مرا یاراں غزل خوانے شمردند" کے مصداق ان کی شخصیت کا یہ پہلو ان کی شاعری کے پیچھے چھپ گیا ہے۔ درحقیقت عوام الناس میں تذکیر بالقرآن اور اعلیٰ فلسفیانہ اور علمی سطح پر تدبر قرآن کے میدان میں علامہ اقبال کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ علامہ اقبال معروف معنوں میں عالم دین نہ تھے اور کسی دارالعلوم یا جامعہ اسلامیہ میں انہوں نے زانوئے تلمذ بھی طے نہ کئے تھے، اس کے باوجود انہوں نے مغربی تہذیب کے مراکز میں جا کر جدید فلسفے کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور اس تہذیب کی کرشمہ سازیوں کا چشم سر سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس سے متاثر ہونے کی بجائے اس کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ مغربی فلسفے اور تہذیب و تمدن کے عمیق مطالعے نے ان پر وحی آسمانی کی رہنمائی سے بے نیاز فکر و فلسفے اور اس پر مبنی طرز حیات کی ہلاکت آفرین، بے چارگی اور خود فریبی کا راز آشکار کیا تو انہیں امت مسلمہ کی ساری بیماریوں کا حل مغرب کی تقلید کے بجائے آخری کتاب ہدایت کی پیروی میں نظر آیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عوام الناس کے لئے عوامی سطح پر اور خواص کے لئے اعلیٰ ترین فکری اور فلسفیانہ سطح پر امت کا رشتہ قرآن سے جوڑنے کی کوشش کی۔ علامہ نے ایک طرف اپنی بھرپور شاعرانہ صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے قرآن کی انقلابی فکر اور اسلام کے درس حریت و مساوات کو مسلم عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا تو دوسری طرف اپنے مشہور خطبات مدراس کے ذریعے اسلامی فکر و فلسفے کی تشکیل جدید اور اسے عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کے لئے رہنما خطوط کی نشاندہی کی۔ لیکن افسوس کہ علامہ کے بعد ان کی ذات اور ان کی فکر کے بارے میں بلا مبالغہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں

© rasailojaraid.com

صفحات سیاہ کئے گئے لیکن ان کی فکر کو آگے بڑھانے اور اعلیٰ ترین فکری سطح پر قرآن کی روشنی میں مغرب کے بے خدا فلسفہ و تہذیب کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے کوئی بھرپور کام نظر نہیں آتا سوائے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے، جن کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ مرحوم کا کام اتنا وقیع ہے کہ اسے فی الواقع فکر اقبال کی تشریح و توضیح کی بجائے تعبیر و توسیع کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر زندگی ان سے وفا کرتی تو اس میدان میں ان کے جوہر مزید کھلتے۔ مرحوم نے اپنی تالیف "قرآن اور علم جدید" میں عہد حاضر کے اہم نظریوں اور فلسفوں مثلاً ڈارون کے نظریہ ارتقاء، فرائڈ کے نظریہ جنس، مارکس کے نظریہ جدلی مادیت وغیرہ کا جائزہ قرآن حکیم کی روشنی میں لیا ہے اور ان کے صحیح اور غلط اجزاء کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے "آئیڈیالوجی آف فیوچر" نامی تصنیف کے ذریعے علامہ اقبال مرحوم کے فلسفہ خودی کی روشنی میں اسلام کو انسانیت کے مستقبل کے ضامن اور فلاح و بہبود کے امین نظریئے کے طور پر پیش کیا ہے۔

انجمن خدام القرآن اور اس کا صدر مؤسس

اس مرحلے پر محض تحدیث نعمت کے طور پر میری ذات اور انجمن خدام القرآن کی حقیر خدمات کا ذکر بھی کچھ بیجا اور بے محل نہ ہو گا۔ یہ تذکرہ فخر مباحات اور نام و نمود کے جذبے سے نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کے شکر کے اظہار اور اس کے انعامات کے اعتراف و اقرار کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ مجھے اپنی خوش بختی پر ناز ہے کہ اوائل جوانی میں ہی ایسے مواقع پیدا ہو گئے کہ قرآن سے ایک ذاتی مناسبت اور قلبی انس کی نعمت میسر آ گئی۔ اب تک فکر قرآنی کے جن جدید و قدیم دھاروں کا ذکر آیا ہے۔ ان سب سے میں نے بقدر استطاعت کسب فیض کیا ہے۔ اس کا ذکر میں تفصیل سے اپنے سلسلہ مضامین "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں "مرکزی انجمن خدام القرآن کا موسس اور اس کے فکری رشتے" کے عنوان سے کر چکا ہوں۔ اور یہ مضمون گزشتہ ماہ کے "حکمت قرآن" میں دوبارہ بھی چھپ چکا ہے۔

قرآن کو سمجھنے کے ساتھ سمجھانے کے کام کی توفیق اور مواقع بھی طالب علمی کے زمانے ہی سے میسر آ گئے تھے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کی نظامت کے زمانے میں بھی "مطالعہ قرآن" پیش کرنے کی ذمہ داری مجھ پر ہی رہتی تھی اور تعطیلات کے زمانے میں جب میں لاہور سے ساہیوال آتا تھا تو جماعت اسلامی کے اجتماعات میں درس قرآن کی فرمائش بھی مجھ ہی سے کی جاتی تھی۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد بھی قرآن کو سمجھنے سمجھانے کا سلسلہ کچھ باقاعدگی اور کچھ بے قاعدگی سے

جاری رہا۔ الحمدللہ ۶۶ء سے لیکر (کہ جب سے میں نے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی ہے) اب تک درس قرآن کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری ہے۔ قیام لاہور کے ابتدائی پانچ سالوں میں تو میں درس قرآن کے ساتھ ساتھ مطب اور مکتبے کی سرگرمیوں کو بھی نباہنے کی کوشش کرتا رہا کہ بقول حسرت

ع ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی

لیکن ۷۲ء سے انجمن خدام القرآن کی تشکیل کے ساتھ ہی جب اللہ نے مجھے فکر معاش سے مستغنی کر دیا تو میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اور ہمہ وقت قرآن کے پیغام کی اشاعت و اقامت کے لئے وقف کر دیا۔ انجمن کے پیش نظر پروگرام کے پہلے جزیعنی "قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت" کی تکمیل کے لئے لاہور کراچی حیدر آباد سکھر راولپنڈی 'پشاور اور کوئٹہ میں وقتاً فوقتاً دروس قرآن کے سلسلے جاری رہے اور دعوتی نقطہ نظر سے مرتب کردہ مطالعہ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کا درس میں نے کم و بیش بیسیوں نہیں سینکڑوں بار پاکستان کے مختلف شہروں میں دیا ہے جو اس تحریک رجوع الی القرآن کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دوران میں محض اللہ کے فضل سے ریڈیو اور ٹیلیویژن جیسے وسیع الاثر ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی فکر قرآنی کی اشاعت کی صورتیں نکلتی رہیں۔ رمضان ۱۳۹۷ ھجری میں ریڈیو پاکستان کی دعوت پر سورہ فاتحہ سے سورہ کہف تک قرآن کی سورتوں کے مضامین کا خلاصہ بیان کرنے کا موقع ملا جو اب "قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی جائزہ" کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہے۔ پھر ٹیلیویژن پر کم و بیش ساڑھے تین برس تک الکتاب الم اور الہدیٰ کے ناموں سے درس قرآن کے پروگرام یکے بعد دیگرے چلتے رہے اور اب اللہ کے فضل سے میرے ساتھ قرآن اکیڈمی سے پڑھ کر نکلنے والے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک ٹیم بھی .... قرآن کے پیغام کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہے۔ گویا ؎

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

اس کے ساتھ میرے دروس قرآن اور تقاریر کے سمعی اور بصری کیسٹس ——— ——— کے ذریعے دنیا بھر میں جہاں جہاں اردو بولنے اور سمجھنے والے مسلمان بستے ہیں قرآن کا پیغام پھیل رہا ہے۔ یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے وسیع اور ہمہ گیر اثرات کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے ان سارے کاموں میں جو کچھ بھی بھلائی اور خیر ہے وہ سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید کا نتیجہ ہے اور اگر کوئی خامی یا کوتاہی اور غلطی ہے تو وہ میری طرف سے ہے۔ قصہ مختصر یہ

© rasailojaraid.com

اداروں کی ضرورت اور تشکیل و تعمیر

ہندوستان پر انگریز کے کامل غلبے اور تسلط کے بعد غلبہ دین اور احیائے دین کی ضرورت کی تڑپ مسلمانوں کے قدیم مذہبی حلقوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یکساں طور پر پیدا ہوئی۔ لیکن جب بھی اس سلسلے میں کام کا آغاز کیا گیا تو ایسے جامع الصفات افراد کار کی کمی شدت سے محسوس کی گئی جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ زمانہ حال کے علوم اور مسائل کی معرفت بھی یکساں طور پر رکھتے ہوں برصغیر میں اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بہت سے علمی ادارے تشکیل دیئے گئے۔ جامعہ ملیہ، مدرستہ الاصلاح، ندوہ اور بہت سے دوسرے ادارے اسی نوع کی کوششوں کے نتیجے میں وجود میں آئے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں یہی مقصد حاصل کرنے کے لئے دیو بند اور علی گڑھ کے ذہین اور منتخب فارغ التحصیل طلبہ کے تبادلے کا پروگرام بھی بنا لیکن غالباً ان کی وفات کے بعد سیاسی مسائل و مصروفیات اور مصلحتوں نے ذمہ دار حضرات کو اس قسم کے کاموں کے لئے فرصت ہی نہ دی مدرستہ الاصلاح اور ندوہ نے بلاشبہ ایسے رجال کار کی کھیپ پیدا کی جو آج بھی علمی میدان میں سرگرم عمل ہیں اور مقدور بھر دین کی خدمت کر رہے ہیں لیکن جس بڑے پیمانے اور جس علمی اور فکری سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے اس کے شایان شان پیش قدمی آج تک نہیں ہو سکی۔

دارالارشاد اور دارالاسلام

اس جگہ دو ایسے اداروں کا ذکر کرنا بے جا نہ ہو گا جن کا نقشہ دعوت و رجوع الی القرآن کا کام کرنے والی اہم شخصیتوں کے ذہن میں ابھرا لیکن وہ بوجوہ عملاً ان اداروں کو قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہماری مراد ابوالکلام آزاد کے "دارالارشاد" اور علامہ اقبال اور مولانا مودودی کے "دارالاسلام" سے ہے "دارالارشاد" کے بارے میں مولانا آزاد کی درج ذیل تحریر ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ کے "البلاغ" میں ملتی ہے۔

> "چند سال پیشتر کا واقعہ ہے کہ مشیت الٰہی نے اس عاجز کی رہنمائی کی اور الہلال، نے قرآن حکیم کی تبلیغ و دعوت کی صدا از سر نو بلند کی۔ لیکن اس عرصہ میں جو کچھ ہوا وہ ایک دعوت عام تھی جس کے ذریعے فہم و بصیرت قرآن کی نئی راہیں عوام و خواص نے اپنے سامنے دیکھیں اور قرآن کریم کی عشق و شیفتگی کا

d.com

> ایک نیا ولولہ دلوں میں پیدا ہو گیا تاہم اس دعوت کی دوسری منزل ابھی باقی ہے اور وہی فی الحقیقت اہم تر مقام سعی و تعب ہے۔ یعنی قوم میں بکثرت ایسے افراد پیدا ہو جائیں جو انہی راہوں پر چل کر قرآن حکیم کے علوم و معارف کو بہ تکمیل حاصل کریں اور ان کے ذریعے قوم میں ارشاد و ہدایت اور احیائے دعوت و ذکر کا عملی سلسلہ بالعموم شروع ہو سکے۔ دارالارشاد کا مقصد یہی ہے کہ دعوت رجوع الی القرآن کی اس دوسری منزل کا سرو سامان ہو اور تھوڑے وقت اور بہت زیادہ صرف علم و فکر سے ایک ایسی جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم کی دعوت و تبلیغ کی خدمت اور اصلاح و ارشاد امت کا فرض انجام دے سکے۔

معلوم نہیں مولانا آزاد نے اس ادارے کے قیام کے لئے کوئی عملی قدم بھی اٹھایا یا نہیں اور اگر واقعتاً کوئی ادارہ وجود میں آیا تو وہ کتنے عرصے قائم رہا گمان غالب یہی ہے کہ رانچی میں مولانا آزاد کی نظر بندی اور پھر بعد کی سیاسی مصروفیات نے انہیں ان خطوط پر کام آگے بڑھانے کی مہلت ہی نہ دی اسی طرح کی ایک سکیم جس نے دارالاسلام کے نام سے علامہ اقبال کے ذہن میں جنم لیا اور جس پر کام کرنے کے لئے جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ علامہ کی دعوت پر حیدر آباد دکن سے نقل مکانی کر کے پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک دور افتادہ دیہات پٹھانکوٹ میں آکر آباد ہوئے، علامہ اقبال کی وفات کے کچھ عرصے بعد ہی دم توڑ گئی۔ مولانا مودودی مرحوم نے علامہ اقبال مرحوم کی وفات کے بعد ان کے متعین کردہ خطوط کے بجائے اپنے لئے خود راہ عمل متعین کی اور خالص علمی سطح پر کام کرنے کی بجائے دعوت کے میدان کو زیادہ ترجیح دی۔ اگرچہ ابتداً جماعت اسلامی کے پیش نظر بھی وہ سارے کام تھے جن کے لئے علامہ اقبال ''دارالاسلام'' بنانا چاہتے تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے عملی سیاست میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف ہونے کی وجہ سے جماعت کے پیش نظر سارے علمی منصوبے رفتہ رفتہ پس منظر میں چلے گئے۔ اور پھر ایک مرحلے پر مولانا مودودی کے گرد اکٹھی ہونے والی علمی شخصیات کے لئے بھی جماعت میں رہنا ممکن نہ رہا۔ علامہ اقبال کی اس سکیم کے خدوخال کا اندازہ جامعہ ازہر کے شیخ علامہ مصطفیٰ المراغی کے نام ان کے خط کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

> ''ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور علوم دینیہ کے چند ماہرین کو یہاں جمع کریں یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیتیں ہوں اور ان کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں مہارت تامہ رکھتا ہو نیز انقلاب دور حاضر سے بھی

© rasailojaraid.com

واقف ہو مقرر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو کتاب اور سنت رسول اللہ کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اخلاق، سیاسیات اور اقتصادیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدن اسلامی کے دوبارہ زندہ کے لئے جہاد کر سکیں! (اقبال دارالاسلام اور مودودی ص - ۲)

قرآن اکیڈمی

دارالارشاد اور دارالاسلام کی سکیموں کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں انجمن خدام القرآن کی قرآن اکیڈمی کی سکیم کے ساتھ حیرت انگیز مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ میں نے بھی جون ۱۹۶۷ء میں قرآن اکیڈمی کے منصوبے کا خواب دیکھا تھا اور "میثاق" کے صفحات پر اس کا اظہار کیا تھا اللہ کے فضل و کرم سے آج یہ اکیڈمی ایک محسوس و مشہور حقیقت کی صورت میں موجود ہے۔ اس اعتبار سے میں اپنے آپ کو دنیا کا انتہائی خوش قسمت انسان سمجھتا ہوں۔ قرآن اکیڈمی کو موجودہ مرحلے تک پہنچانے میں ہم نے قدم بقدم پیش قدمی کی ہے۔ اس کی ابتداء ایک دارالمقامہ یعنی ہوسٹل سے ہوئی تھی جس میں کالجوں اور یونیورسٹی کے زیر تعلیم طلبہ کے لئے رہائش کا انتظام کیا گیا تھا دوسرے مرحلے میں ایک معہد ثانوی یعنی ہائی اسکول کا آغاز کیا گیا جس میں مڈل پاس طلبہ داخل کئے گئے۔ اور عربی کی لازمی تدریس کے ساتھ میٹرک کی تیاری کروائی گئی بالآخر ۱۵ را کتوبر ۱۹۸۱ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلس منتظمہ نے اپنے ایک خصوصی اجلاس میں قرآن اکیڈمی میں رفاقت یعنی فیلوشپ کی اسکیم شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس کے تحت ان اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دینی تعلیم کے سلسلے کا آغاز کیا گیا جنہوں نے تعلیم و تعلّم قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ——————

—————— یکم اپریل ۱۹۸۲ء سے ان چھ نوجوانوں کی دینی تعلیم کا آغاز ہوا جن میں سے ایک ایم بی بی ایس، ایک بی ڈی ایس، دو ایم ایس سی، ایک ایم اے فلسفہ اور ایک ایم اے ایل ایل بی شامل تھے۔ یوں تو یہ سب ہی میری آنکھ کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ لیکن الحمد اللہ ثم الحمد اللہ کہ ان میں دو وہ بھی تھے جنہیں عرف عام میں نور چشم، اور لخت جگر کہا جاتا ہے۔ پھر اگلے برس چالیس سے زائد طلبہ پر مشتمل ایک ایسے گروپ کی دو سالہ تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جس میں نصف کے قریب ایف اے، ایف ایس سی، بی ایس سی اور ایم اے ایم ایس سی نوجوان تھے اور نصف کے قریب فارغ

d.com

التحصیل اور بر سر کار انجینئر ڈاکٹر اور دوسرے ایسے ہنر مند حضرات شامل تھے جنہوں نے اپنی کاروباری اور ملازمتی مصروفیات میں سے دو سال دین کا علم حاصل کرنے کے لئے نکالے تھے۔ دو سالہ تدریسی نصاب کا تیسرا گروپ بھی اپنی تعلیم کا پہلا سال مکمل کر چکا ہے۔ اس دو سالہ تعلیم کا نصاب بنیادی طور پر پہلے سال میں پختہ بنیادوں پر عربی زبان کی تعلیم اور پھر دوسرے سال میں ترکیب نحوی و صرفی کے ساتھ سبقاً سبقاً قرآن حکیم کی تدریس پر مشتمل ہے اس کے علاوہ حدیث فقہ اور اصول فقہ کی بنیادی تدریس بھی نصاب میں شامل ہے۔ دو سالہ کورس کے منتہی طلبہ میں سے منتخب نوجوانوں پر مشتمل تیسرے سال کی ایک کلاس بھی تجرباتی بنیادوں پر شروع کی گئی تھی جس کے نصاب میں اصول حدیث، اصول فقہ اور عربی ادب کی بنیادی کتب شامل تھیں لیکن بوجوہ اس کورس کو تکمیل سے قبل ہی ملتوی کرنا پڑا۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر اور اس میں تدریس کا یہ منصوبہ میری بیس اکیس برس کی محنتوں اور آپ کے تعاون سے تقریباً ۳۵ لاکھ روپے کے خرچ سے اپنی موجودہ شکل میں سامنے آیا ہے۔

قرآن کالج

اب قرآن کالج کی تعمیر کا مرحلہ اور نئی عمارت کی تعمیر تک قرآن اکیڈمی میں ہی قرآن کالج کی کلاسوں کا اجراء پیش نظر ہے۔ قرآن کالج کی پوری سکیم اور اسکا پراسپکٹس حکمت قرآن کے صفحات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں گزشتہ برس بھی قرآن کالج کی کلاسوں کے اجراء کے لئے اخبارات میں اشتہارات دیئے گئے تھے۔ لیکن آپ حضرات کے عدم تعاون کی وجہ سے اتنی تعداد میں باصلاحیت طلبہ میسر نہ آسکے کہ ہم باقاعدہ کلاس شروع کر دیتے اس لئے یہ کام ایک سال کے لئے موخر کرنا پڑا۔ مولانا احمد علی لاہوری چالیس برس تک اس شہر لاہور میں درس قرآن دیتے رہے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے لاہوریو تم چودہ چودہ برس تک اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلواتے ہو اگر تم انہیں چودہ سال کے لئے ہمارے پاس بھیجو تو ہم انہیں دین پڑھائیں۔ علم و حکمت کا وہ خزانہ انہیں منتقل کریں جو ہمارے پاس ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ ان کی اس پکار نے کتنے لوگوں کو متاثر کیا! درحقیقت عوامی سطح پر یہ غفلت اور یہ عدم تعاون پکارنے والے کے اجر میں اور اس کی محنت میں تو نہ کی واقع نہیں ہونے دیتا پکارنے والے نے اگر بددل ہو کر اپنا راستہ بدل نہیں دیا اور زندگی کی آخری سانس تک اپنے کام میں لگا رہا تو اس کا اجر اس کے اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ادب کے ساتھ ایسے بزرگوں اور پکارنے والوں کی صحبتوں میں بیٹھتے ہیں ہر طرح کی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں مگر اس پکار کے جواب میں اپنی اولاد کو اس کام کے لئے وقف نہیں کرتے انہیں اللہ کے ہاں عام لوگوں کی نسبت زیادہ جوابدہی کرنی پڑے گی کیوں کہ ان پر تو ایک محبّت قائم ہو چکی۔

© rasailojaraid.com

انداز کرتے ہوئے اپنی ذہین اولاد کو قرآن کی تعلیم کے لئے قرآن کالج میں داخلہ دلوایئے۔ ہم تین سال میں انہیں گریجویٹ بنا کر آپ کو واپس کریں گے۔ صرف ایک سال زائد لگانے کے بعد ان کے سامنے سوائے میڈیکل اور انجینیرنگ کے باقی سارے کیریئر موجود ہوں گے مقابلے کے امتحان اور وکالت کے شعبے میں کھلے امکانات ہیں۔ اور ان دونوں میدانوں میں تو اب دینی تعلیم بھی انشاء اللہ فائدہ مند ہوگی کیونکہ نفاذ شریعت کی کوششوں کے نتیجے میں انشاء اللہ شریعت کا کچھ نہ کچھ عمل دخل اور نفاذ انتظامیہ اور عدلیہ کے ذریعے ضرور ہوگا۔

اور سب سے بہتر کیریئر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی خیر کم من تعلم القرآن و علمہ تم سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں (صحیح بخاری بروایت حضرت عثمانؓ) کے مطابق تو اعلیٰ پیمانے پر قرآن سیکھنے اور سکھانے میں اپنے آپ کو لگا دینا ہے۔ عشق رسولؐ کے دعوے تو آسان ہیں مگر اس کے کچھ عملی تقاضے بھی ہیں۔ اس کے لئے کچھ قربانی بھی درکار ہے اس سلسلے میں یہ بات بھی ذہنوں میں رہنی چاہیے کہ آج تک جن عظیم ہستیوں نے دینی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کے والدین نے برضا و رغبت انہیں دین کی تعلیم دلوائی تھی وہ ان نفسیاتی الجھنوں سے پاک تھے۔ جو انسانی کردار کو مجروح کر کے فکر کی بلند پروازی کے راستے بند کر دیتی ہیں۔ صرف ان ہی میں سے چند شخصیات کی مثالیں دیکھ لیجئے جن کا ذکر فہم قرآن کے سلسلے میں آچکا ہے۔ علامہ حمید الدین فراہی کا تعلق اعظم گڑھ کے مشہور انصاری خاندان سے تھا اور ان کے دادا شیخ قربان قنبر انصاری انگریزی تسلط کے ابتدائی دور میں اعظم گڑھ کے مشہور وکیل تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کے والد شیخ حبیب اللہ مرحوم اپنے علاقے کے بہت بڑے زمیندار اور تاجر تھے۔ وکالت و زمینداری اور نیل اور شکر کی تجارت سے انیسویں صدی کے آخر میں ان کی سالانہ آمدنی تقریباً تیس ہزار روپے سالانہ تھی اور سرکار کو چھ ہزار روپے سال کی مالگزاری دیتے تھے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے والد شیخ عبدالحق صاحب ایک مقتدر رئیس اور میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے اگر علماء کرام کے تذکروں کو کھنگالا جائے تو اس قسم کی کئی مثالیں مل جائیں گی۔ میں آپ کو یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ اپنی اولاد کو جدید تعلیم سے محروم رکھیں یا انہیں دینی مدارس میں بھیج دیں دینی مدارس کا معاملہ بھی جدید تعلیم کی طرح یک رخا ہے۔ وہ اپنی جگہ جو کام کر رہے ہیں اگرچہ وہ انتہائی مفید اور ضروری ہے اور ان کی کوششوں اور قربانیوں سے ہمارے معاشرے کی مذہبی زندگی قائم ہے اور مسجدیں آباد ہیں لیکن جدید علوم سے بے خبری کے باعث احیاء اسلام کے عظیم کام کی صلاحیت سے میں انہیں محروم پاتا ہوں میں نے خود اپنی اولاد کو ان مدرسوں

d.com

میں نہیں بھیجا بلکہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اس قرآن اکیڈمی میں دینی علوم سے روشناس کروایا ہے۔ میرا بڑا داماد جو ڈینٹل سرجن ہے وہ بھی قرآن اکیڈمی کا دو سالہ نصاب پڑھ چکا ہے۔ اور گزشتہ برس سے گڑھی شاہو میں رمضان المبارک کے دوران تراویح کے ساتھ ترجمہ قرآن سنا رہا ہے میرا دوسرا داماد جس سے مجھے بڑی توقعات اور امیدیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لئے اور اس کے والدین کے لئے توشہ آخرت بنا دیا گزشتہ برس اکتوبر میں کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گیا مرحوم قرآن اکیڈمی کا دو سالہ کورس کو نہایت کامیابی سے مکمل کرنے کے بعد تیسرے سال کی تدریس میں شریک تھا۔ اس سارے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ میں آپ کو کسی ایسے کام کی دعوت نہیں دے رہا جس میں میں نے اپنی اولاد کو نہ لگایا ہو۔ میں پھر یہ گزارش کروں گا کہ ہمیں اپنے بچے دیجئے۔ یہ سب سے بڑا چندہ ہے اور یہ سب سے بڑا ایثار ہے۔ کوئی کروڑپتی اگر ایک لاکھ روپے کا چیک ہمیں دے دے گا تو میری نگاہ میں اس کی وہ وقعت نہیں ہے جتنی کہ اس بات کی ہے کہ ایک صاحب حیثیت شخص جو اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلا سکتا ہو اپنے کسی بچے کو اعلیٰ ترین علمی سطح پر دین کی خدمت کے لئے وقف کر دے۔ صاحب حیثیت گھرانوں کے بچے اگر اس طرف آئیں گے تو وہ احساس کمتری سے پاک ہوں گے وہ لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے دین کی بات کر سکیں گے۔ جب یہ کام بڑے پیمانے پر ہو گا تو انشاء اللہ صورتحال بدلے گی دین کا فہم اور بصیرت رکھنے افراد کے جس قحط سے ہم آج دوچار ہیں انشاء اللہ وہ دور ہو گا۔

ہر شخص اپنے آپ سے سوال کرے اپنے گریبان میں جھانکے آپ دین کے لئے اپنے بچے کا ایک سال بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جبکہ دنیاوی کیریئر اور مادی ترقی کے لئے داخلوں کے لئے حرام حلال تمام ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دین و ایمان' تہذیب و شرافت ہر چیز کو داؤ پر لگا کر اپنے بچوں یورپ اور امریکہ بھجواتے ہیں۔ جو اس کام کی مقدرت و استطاعت نہیں رکھتے وہ اس کی حسرت رکھتے ہیں حالانکہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی نوجوان یورپ اور امریکہ وغیرہ جا کر وہاں کی تہذیب اور معاشرت کے رنگ میں رنگے گئے انہوں نے اپنے ملک اپنے والدین اپنے معاشرے ہر چیز کو تج دیا۔ وہاں شادیاں کرلیں اب ماں باپ کو شکل تک دکھانے کے وہ روادار نہیں۔ اور وہ ماں باپ جنہوں نے بڑے چاؤ سے اور بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ اپنے جگر گوشوں کو اپنے سے جدا کر کے بھیجا تھا حسرت اور افسوس سے ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسے سینکڑوں واقعات ہمارے سامنے پیش آتے ہیں مگر ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ ایک اندھی دوڑ ہے جس میں آنکھیں بند کر کے عامی و عالم' غریب اور امیر سبھی دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

قرآن مجید میں انفاق پر کتنا زور دیا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد صرف مال خرچ کرنا ہے۔ حالانکہ سب سے اہم رزق جو اللہ نے انسان کو دیا ہے وہ اسکی صحت، ذہانت، فراست ہے جسمیں تمام انسان برابر نہیں۔ جس کو جس پہلو سے اللہ نے نوازا ہے یہ اس کا نصیب اور اس کا رزق ہے۔ عربی زبان میں رزق کا لفظ بڑے وسیع مفہوم کا حامل ہے مراد صرف یہی کھانا پینا نہیں ہے۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ربانی ہے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اے لوگو تم نے اپنا رزق (نصیب) یہ ٹھہرایا ہے کہ تم (قرآن کی) تکذیب کر رہے ہو۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ رزق سے مراد انسان کا نصیب ہے۔ انسان کی اندرونی صلاحیتوں کے بعد مال، اولاد، خاندان، عزت و شرافت سب اللہ کا دیا ہوا رزق ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اہم اور پیارا رزق انسان کی اولاد ہے۔ اس کو اللہ کی راہ میں لگانا سب سے مشکل اور کٹھن کام ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری اولاد آپ کے سامنے اس کام میں لگی ہوئی ہے بڑا بیٹا ڈاکٹر ہے جو میری غیر حاضری میں آپ کے سامنے میری جگہ خطاب کرتا ہے۔ دوسرا ایم اے فلسفہ ہے جو ہر جمعے کو یہاں نماز جمعہ کی امامت کے فرائض ادا کرتا ہے۔ دونوں میرے کام میں میرے دست و بازو ہیں۔ یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اپنی اولاد کو اس کام میں لگانے کے بعد آپ سے آپ کی محبوب ترین شے مانگ رہا ہوں سب سے پہلے اپنے بچے دیجئے۔ اگر آپ نے پیش قدمی نہ کی تو قرآن کالج کی سکیم فیل ہو جائے گی آج میں نے تاکید اور اپیل کے میدان میں اپنی ساری صلاحیت صرف کر دی ہیں۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل خاص سے میری اپیل میں اثر پیدا کر دے اور آپ کو ہمت و توفیق عطا کرے کہ آپ اپنے بچوں کو دین کی خاطر قرآن کالج میں داخل کروائیں۔

دوسرے درجے میں ہمیں پیسے کا چندہ بھی درکار ہے۔ قرآن کالج کی تعمیر میں ہم نے اپنے سارے وسائل صرف کر دیئے ہیں۔ اگر آپ حضرات کی طرف سے مزید وسائل نہیں آئیں گے۔ تو تعمیر کا کام رک جائے گا۔ اکیس برس کی خطابت میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں اپنے ادارے کے لئے آپ سے چندہ مانگ رہا ہوں۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ اس چندے کی اہمیت میرے نزدیک ثانوی ہے اصل چندہ آپ کی اولاد ہی کا مطلوب ہے۔ پوری دلی آمادگی کے ساتھ اپنے مال اور اولاد کو اللہ کے دین کے لئے لگا دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

id.com

ہدایت القرآن (۱۵)

مولانا محمد تقی امینی

قوم بنی اسرائیل کی احسان فراموشی وگمراہی

یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا ... وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

اے بنی اسرائیل میرے انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور میں نے دنیا جہان والوں پر فضیلت دی[1] اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کے لئے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

---

[1] پہلے خاص طور سے علم وفضل کے انعام کا ذکر تھا جو دین وشریعت کی راہ سے انہیں حاصل ہوا تھا۔ اب خاص طور سے قیادت وسرداری کے انعام کا ذکر ہے۔ یہ بھی انہیں (بنی اسرائیل) دین وشریعت ہی کی راہ سے حاصل ہوئی تھی۔ علم وفضل کے لئے یا قیادت وسرداری کے لئے بنی اسرائیل کا انتخاب اور قوموں کے مقابلہ میں اہلیت ولیاقت کی بنا پر تھا۔ کسی جانب داری یا رعایت کی بنا پر نہ تھا جیسا کہ دوسری جگہ ہے:

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (دخان: آیت ۱۲)

اور ہم نے اپنے علم سے دنیا جہان والوں کے مقابلہ میں ان کو چن لیا تھا۔

جب کوئی نعمت کسی قوم کے پاس زیادہ دن تک برقرار رہتی ہے تو وہ اس کو اللہ کا انعام سمجھنے کی بجائے اس کو اپنا حق سمجھنے لگتی ہے اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ جو کچھ ہمیں حاصل ہے یہ ہمارا ذاتی حق ہے جو بہرحال ہمارے پاس رہے گا۔ خواہ ہمارے اندر کتنی ہی کمی کیوں نہ آجائے۔ آیت میں اسی خیال کی تردید ہے کہ ہمارا انتخاب جان بوجھ کر اور دیکھ بھال کر (علیٰ علم) ہوتا ہے اور

© rasailojaraid.com

قرآن مجید میں انفاق پر کتنا زور دیا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد صرف مال خرچ کرنا ہے۔ حالانکہ سب سے اہم رزق جو اللہ نے انسان کو دیا ہے وہ اسکی صحت' ذہانت' فراست ہے جسمیں تمام انسان برابر نہیں۔ جس کو جس پہلو سے اللہ نے نوازا ہے یہ اس کا نصیب اور اس کا رزق ہے۔ عربی زبان میں رزق کا لفظ بڑے وسیع مفہوم کا حامل ہے مراد صرف یہ کھانا پینا نہیں ہے۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ربانی ہے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اے لوگو تم نے اپنا رزق (نصیب) پر ٹھہرایا ہے کہ تم (قرآن کی) تکذیب کر رہے ہو۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ رزق سے مراد انسان کا نصیب ہے۔ انسان کی اندرونی صلاحیتوں کے بعد مال' اولاد' خاندان' عزت و شرافت سب اللہ کا دیا ہوا رزق ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اہم اور پیارا رزق انسان کی اولاد ہے۔ اس کو اللہ کی راہ میں لگانا سب سے مشکل اور کٹھن کام ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری اولاد آپ کے سامنے اس کام میں لگی ہوئی ہے بڑا بیٹا ڈاکٹر ہے جو میری غیر حاضری میں آپ کے سامنے میری جگہ خطاب کرتا ہے۔ دوسرا ایم اے فلسفہ ہے جو ہر جمعے کو یہاں نماز جمعہ کی امامت کے فرائض ادا کرتا ہے۔ دونوں میرے کام میں میرے دست و بازو ہیں۔ یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اپنی اولاد کو اس کام میں لگانے کے بعد آپ سے آپ کی محبوب ترین شے مانگ رہا ہوں سب سے پہلے اپنے بچے دیجئے۔ اگر آپ نے پیش قدمی نہ کی تو قرآن کالج کی سکیم فیل ہو جائے گی آج میں نے تاکید اور اپیل کے میدان میں اپنی ساری صلاحیت صرف کر دی ہیں۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل خاص سے میری اپیل میں اثر پیدا کر دے اور آپ کو ہمت و توفیق عطا کرے کہ آپ اپنے بچوں کو دین کی خاطر قرآن کالج میں داخل کروائیں۔

دوسرے درجے میں ہمیں پیسے کا چندہ بھی درکار ہے۔ قرآن کالج کی تعمیر میں ہم نے اپنے سارے وسائل صرف کر دیئے ہیں۔ اگر آپ حضرات کی طرف سے مزید وسائل نہیں آئیں گے۔ تو تعمیر کا کام رک جائے گا۔ اکیس برس کی خطابت میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں اپنے ادارے کے لئے آپ سے چندہ مانگ رہا ہوں۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہے کہ اس چندے کی اہمیت میرے نزدیک ثانوی ہے اصل چندہ آپ کی اولاد ہی کا مطلوب ہے۔ پوری دلی آمادگی کے ساتھ اپنے مال اور اولاد کو اللہ کے دین کے لئے لگا دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

id.com